"زندہ" بلکہ بھرپور جوش و خروش کے ساتھ متحرک بھی ہوتا ہے!

نوعِ انسانی کا ذہنی اور عمرانی ارتقاء

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے جس مقالے کا ذکر اوپر آیا ہے اس میں انہوں نے تخلیق آدم کے بعد سے لے کر اب تک جاری رہنے والے دور کو نظریاتی یا تصوراتی ارتقاء (IDEOLOGICAL EVOLUTION) کا دور قرار دیا ہے —— جبکہ ان سطور کے عاجز و ناچیز راقم کے نزدیک ارتقاء کے اولین مرحلے یعنی خالص طبیعیاتی اور کیمیاوی ارتقاء' اور دوسرے مرحلے یعنی حیاتیاتی ارتقاء کے بعد ارتقاء کے دو مزید مراحل گزر چکے ہیں' اور تیسرا اس وقت جاری ہے!

ان میں سے پہلا مرحلہ راقم کی رائے میں "ذہنی ارتقاء" یعنی "INTELLECTUAL EVOLUTIOIN" کا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ انسان اس قابل ہو جائے کہ حقیقت الحقائق یعنی ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ' اور عظیم حقائقِ کونیہ سے "غیب" میں ہونے اور مادی کائنات کے زنداں میں محبوس ہو جانے کے باوجود کسی "غیبی اطلاع" —— یعنی وحی ربانی کے بغیر خود اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں "آفاق میں گم شدگی" سے ؏ "ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں!" کے سے انداز میں چھلانگ لگا کر نکل آئے' اور کل آفاق کو خود اپنے اندر جذب یا "گم" کرتے ہوئے "منزلِ ما کبریاست!" اور ؏ "یزداں بکمند آور اے ہمّتِ مردانہ!" کا نعرہ لگاتے ہوئے "بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور خالق کون و مکان کو نہ صرف پہچان لے بلکہ —— "مال و دولتِ دُنیا" اور "رشتہ و پیوند" کے جملہ "بتانِ وہم و گمان" سے ناطہ توڑ کر بالکلیہ اسی کا ہو کر رہ جائے —— چنانچہ یہ تھا انسان کے ذہنی و فکری ارتقاء کا وہ مرحلۂ اوّل جس کی تکمیل ہوئی حضرت آدمؑ سے لگ بھگ پانچ ہزار برس بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیتِ مبارکہ پر جنہوں نے ایسے ماحول میں پیدا ہونے کے باوجود جہاں ہر نوع کے شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے‘ چنانچہ بُت پرستی بھی تھی‘ اور ستارہ پرستی بھی‘ اور سب سے بڑھ کر "بادشاہ پرستی" بھی‘ اپنے ذاتی غور و فکر کے نتیجے میں (واضح رہے کہ سورۃ الانعام کی آیات ۷۶ تا ۷۸ کی ایک تاویل یہ بھی ہے!) یہ فیصلہ کرلیا کہ : ﴿ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ ﴾ (آیت ۷۹) یعنی : "میں نے تو (کُل کون و مکاں اور ہر چہار سو سے منقطع ہو کر) اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا —— بالکل اسی کا ہو کر رہتے ہوئے —— اور میں ہرگز (اس کے ساتھ) شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں!" —— چنانچہ یہی وہ توحیدِ کامل تھی جو ان کی پوری شخصیت میں سرایت کر گئی تھی‘ جس کی بنا پر وہ ایک جانب "خلیل اللہ" قرار پائے بفحوائے : ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ○ ﴾ [۴۰] (النساء : ۱۲۵) تو دوسری جانب اپنے بعد کی پوری نسل انسانی کے امام قرار دیئے گئے‘ بفحوائے ﴿ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ ﴾ [۴۱] (البقرۃ : ۱۲۴) اگرچہ سب جانتے ہیں کہ انہیں اس مقام کے حصول کے لئے اپنی نظری "توحید" کے عملی ثبوت کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر کڑے امتحانات اور یکے بعد دیگرے سخت سے سخت تر آزمائشوں اور ابتلاؤں میں سے گزرنا پڑا۔

حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت پر اس ذہنی ارتقاء کی تکمیل کے بعد عمرانی ارتقاء یعنی SOCIAL EVOLUTION کا مرحلہ شروع ہوا‘ جو عبارت ہے اس سے

---

۴۰) "اور ابراہیمؑ کو تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا تھا۔"

۴۱) "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔"

کہ سرمد کے اس شعر کے مصداق کہ ؎ "ملا گوید کہ محمدؐ بالائے آسماں رفت۔ سرمد گوید کہ آسماں بہ محمدؐ در شُد!"[۴۲] وہ توحید جو حضرت ابراہیمؑ کی پوری شخصیت میں سرایت اور آنجنابؑ کے روئیں روئیں میں حلول کرکے گویا پوری طرح INTERNALISE ہو گئی تھی' جس سے ایک فرد کی حد تک "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ"[۴۳] کا تقاضا بتمام و کمال پورا ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں صداقت اور وفا شعاری' اور حلم و تحمل کے جملہ اوصافِ عالیہ کا کامل انعکاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں ہو گیا تھا —— اب وہ EXTERNALISE ہو' اور انسانی معاشرے اور اجتماعیت میں سرایت کرکے ایک ایسی ریاست وجود میں لے آئے جس میں ذاتِ حق سبحانہ' و تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ اور ربوبیتِ عامہ پورے طور پر منعکس اور "مشہود" ہو جائیں اور اس طرح اس کی وہ شان بتمام و کمال ظاہر ہو جو اس کے نامِ نامی "العَدل" اور صفتِ مبارکہ ﴿قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾[۴۴] (آل عمران : ۱۸) میں بیان ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ سے قبل کے جن تین رسولوں کا ذکر بار بار آیا ہے یعنی حضرت نوحؑ' حضرت ھودؑ اور حضرت صالحؑ —— ان کی قوموں کا صرف ایک ہی مرض بیان ہوا ہے یعنی شرک' اس لئے کہ محسوس ہوتا ہے کہ اُس وقت تک انسانی تمدن اتنا سادہ اور فطرت سے اتنا قریب تھا کہ ابھی جنسی بے راہ روی اور معاشرتی فساد' مالی لوٹ کھسوٹ اور معاشی

۴۲) ترجمہ شعر: "مُلا کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے' لیکن سرمد کا کہنا ہے کہ آسمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اُتر گیا۔"

۴۳) "اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہو جاؤ!"

۴۴) "انصاف پر قائم۔"

استحصال' اور سیاسی جبرو استبداد یا "مستکبرین" اور "مستضعفین" کی تقسیم ایسے عمرانی و تمدنی امراض پیدا ہی نہیں ہوئے تھے — لیکن حضرت ابراہیمؑ کے زمانے ہی سے یہ نظر آتا ہے کہ انسان کی ہیئتِ اجتماعی کے ان مفاسد اور امراضِ خبیثہ کا آغاز ہو جاتا ہے — چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی جانب جہاں جنسی بے راہ روی (SEXUAL PERVERSION) بدترین اور مکروہ ترین صورت میں نمودار ہوئی' پھر حضرت شعیب علیہ السلام اٹھائے گئے اپنی قوم مدین یا مدیان میں' جس میں مالی لوٹ کھسوٹ کی مختلف صورتوں کا رواج ہو گیا تھا۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا بالخصوص فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب جنہوں نے ایک قوم (بنی اسرائیل) پر جبرو استبداد اور جور و ظلم کی حد کر دی تھی' بفحوائے الفاظِ قرآنی : ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾[۴۵] (القصص : ۴)

ان تینوں جلیل القدر رسولوں کے ضمن میں یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ اس اعتبار سے تو کامیابی تینوں ہی کو حاصل ہو گئی کہ تینوں کے مخالفین و معاندین نیست و نابود کر دیئے گئے' تاہم ان کی دعوت کو اس پہلو سے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی کہ ان کی قوموں کی بحیثیتِ مجموعی تقدیر بدل جاتی۔ البتہ یہ کامیابی صرف حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوئی کہ انہوں نے مجبور و مقہور قوم کو

---

(۴۵) "واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔"

غلامی اور تعذیب سے بالفعل نجات دلا دی۔ اگرچہ یہ سب کچھ ہوا معجزات اور خالص خرقِ عادت حوادث و واقعات کے ذریعے —— لیکن پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے انہی بنی اسرائیل کی طرف اُس وقت جبکہ وہ اپنے دینی و اخلاقی زوال کی انتہا کو پہنچ گئے تھے' اور اِن کی مذہبی سیادت و قیادت' خواہ وہ احبار پر مشتمل تھی یا رھبان پر' مذہب کی بدترین PERVERSION کے شاہکار کی حیثیت اختیار کر چکی تھی' اور آنجناب ؑ نے ان کی اس دُنیا پرستی کا پردہ چاک کیا جو مذہبیت اور دینداری کے پردے میں ہو رہی تھی' اور ان کی حقیقت و رُوحِ دین سے دوری اور بے جان رسم پرستی اور خشک قانونی موشگافیوں پر تیز و تند تنقیدیں کیں —— تو ان کے قصرِ سیادت و پیشوائیت میں تو کوئی ضعف پیدا نہ ہو سکا' الٹا انہوں نے آنجناب ؑ کو اپنے بس پڑتے تو سولی پر چڑھا دیا' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ نے ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ ﴾[۴۶] (النساء : ۱۵۷) کی صورت پیدا کر دی اور آنجناب ؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا —— گویا حضرت ابراہیم ؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ ؑ تک تمام رسول معاشرتی' معاشی' اور سیاسی بے راہ روی اور بے اعتدالی' اور ظلم و تعدّی کے خلاف جہاد تو کرتے رہے لیکن انہیں کہیں کوئی عملی کامیابی حاصل نہ ہو سکی! (واضح رہے کہ حضرت داؤد ؑ اور حضرت سلیمان ؑ اول تو رسول نہیں صرف نبی تھے —— اور ثانیاً انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں جو عدل و انصاف کی جھلک دکھائی' وہ اس حکومت و اقتدار کی بنا پر تھی جو ان کی دعوت و جہاد کے نتیجے میں نہیں بلکہ محض اتفاقی یا حادثاتی انداز میں خالص وہبی طور پر عطا

(۴۶) ''حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا' بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔''

ہوئی تھی۔)

تاہم حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو سال بعد بعثت ہوئی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جنہیں اقبال نے بجا طور پر "آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب" قرار دیا جس کی تلاش میں "قافلہ ہائے رنگ و بو" کو بہت دُور دراز اور طویل سفر طے کرنا پڑا ——— اس لئے کہ ایجاد و ابداعِ کائنات سے لے کر تخلیق و تسویہ تک کے جملہ مراحل تنزل و ارتقاء' اور پھر ﴿ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴾[۴۷] (الاعلیٰ : ۳) کے طویل سفر کی منزل مقصود آپؐ ہی کی ذاتِ مبارکہ تھی' جس نے "توحید" کو بہ تمام و کمال EXTERNALISE کر کے شہنشاہِ ارض و سماوات اور جملہ مخلوقات کے پالن ہار کی حاکمیتِ مطلقہ اور ربوبیتِ عامّہ پر مبنی معاشرہ اور ریاست بالفعل قائم کر دی۔ یعنی زمین پر اللہ کی خلافت کا کامل نظام عملاً قائم کر دیا۔ اور اس طرح نوعِ انسانی کے عمرانی ارتقاء کا مرحلہ اصولی اعتبار سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

واضح رہے کہ اقبال کے اس مصرعے کہ ؏ "تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے!" کے مصداق آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ذریعے کاروانِ انسانیت اور قافلۂ انبیاء و رُسل "دونوں" اپنی آخری "معراج" کو پہنچ گئے ——— قافلۂ انبیاء و رُسل اس اعتبار سے کہ ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ' جو خود ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ ہے' کے جاری کردہ سلسلۂ بعثت انبیاء و رسل اور تنزیل کتاب و میزان کا اصل مقصد ——— یعنی ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾[۴۸] (الحدید : ۲۵) آپؐ ہی کے ذریعے پورا ہوا ——— اور کاروانِ انسانیت اس اعتبار سے کہ اس نظامِ عدل و قسط کے قیام کے لئے جو جِدّوجُہد آپؐ نے کی وہ

---

۴۷) "اندازہ ٹھہرایا' پھر راہ معین کی۔"

۴۸) "تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

خالص انسانی سطح پر' سلسلۂ اسباب و علل کے حصار میں رہتے ہوئے' اور ٹھوس زمین پر قدم بہ قدم چلتے ہوئے کی۔ جس سے انسان کی عظمت آشکارا ہوئی۔ اور علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق جو انہوں نے غالب کی شان میں کہا ہے کہ ؎ "فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا۔ ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا!" آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سعی و جہد' محنت و مشقت' ایثار و قربانی' صبر و مصابرت' اور ثبات و استقامت سے یہ حقیقت "روشن" اور مبرھن ہوئی کہ انسان واقعتاً خالق ارض و سما کی تخلیق کا شاہکار اور حقیقتاً اشرف المخلوقات ہے! جس میں اللہ تعالیٰ نے قوّت و صلاحیت کے اتھاہ خزانے ودیعت کیئے ہیں!

الغرض' اصولی اعتبار سے "انسانِ کامل" اور "رسولِ کامل" صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر ایجاد و ابداع' تخلیق و تسویہ' اور تقدیر و ہدایت کا وہ طویل سفر ؏ "شکر صد شکر کہ جمازہ بمنزل رسید" کے مصداق اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا جو تنزّلات اور ارتقاء کے طویل اور پیچ در پیچ مراحل سے گزرا تھا —— اور اب اس کا صرف ایک ضمنی مرحلہ باقی ہے' یعنی یہ کہ جو بلند چھلانگ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرے اور اجتماعیت کو آج سے چودہ سو سال قبل لگوائی تھی وہ ؏ "خدایا آں کرم بارے دگر کن!" کے مصداق دوبارہ لگے اور اس شان سے لگے کہ کل روئے ارضی اور پورے عالمِ انسانیت کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے —— چنانچہ یہی ہے "نوعِ انسانی کے عمرانی ارتقاء" کی وہ آخری منزل جس کی جانب قافلہ انسانیت خواہی نخواہی کشاں کشاں بڑھ رہا ہے' اس حال میں کہ اس کی جھولی میں علم و حکمت اور بالخصوص اعلیٰ سماجی اقدار کی جو بھی "خیر" موجود ہے وہ فی الحقیقت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی "خیرات" ہے' اور

اس "خیر" کی تکمیل کی "آرزو" کے ضمن میں وہ اِس وقت بالکل اسی طرح "تلاشِ مصطفیٰ" میں سرگرداں ہے جیسے اربوں سال قبل "قافلہ ہائے رنگ و بُو" نکلے تھے! —— بقول اقبال :

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

چنانچہ یہ امر قطعاً شدنی اور اٹل ہے کہ ارتقائے نوعِ انسانی کی یہ آخری منزل لازماً آکر رہے گی' اور کل روئے ارضی اور پورے عالمِ انسانیت پر وہ نظامِ عدل و قسط سایہ فگن ہو کر رہے گا جو محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی "رحمتٌ للعالمینی" کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اس لئے کہ متعدد صحیح اور مستند احادیث میں آنحضور ﷺ کی یہ صریح اور واضح پیشین گوئیاں وارد ہوئی ہیں کہ :

۱۔ "اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ساری زمین کو لپیٹ دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور سارے مغرب بھی۔ اور (سن رکھو کہ) میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو زمین کو لپیٹ کر مجھے دکھا دیئے گئے ہیں!" (صحیح مسلمؒ عن ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہؐ)

۲۔ "کل روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر بچے گا' نہ اونٹ کے بالوں کے کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ' جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے' خواہ وہ عزّت والے کے اعزاز کے ساتھ ہو خواہ کمزور کی مغلوبیت کی بنا پر —— یعنی یا تو گھر اور خیمے والوں کو اللہ یہ اعزاز عطا فرمائے گا کہ وہ خود اسلام میں داخل ہو جائیں گے' یا دوسری صورت میں اللہ انہیں

مغلوب فرما دے گا' چنانچہ وہ (اسلامی ریاست کی) تابعداری اختیار کر لیں گے!" ــــــ اس پر راوی نے کہا : "تب وہ بات پوری ہو گی جو فرمانِ الٰہی ﴿ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ [۴۹] (الانفال : ۳۹) میں وارد ہوئی ہے"۔ (مسند احمدؒ عن مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ)

اور خود قرآن حکیم میں وارد شدہ صغریٰ و کبریٰ کا منطقی نتیجہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں تین بار تو یہ الفاظِ مبارکہ ہو بہو اور جوں کے توں وارد ہوئے کہ : ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [۵۰] (التوبہ : ۳۳' الفتح : ۲۸' الصف : ۹) گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت غلبۂ دینِ حق ہے ــــــ اور پانچ مرتبہ مختلف الفاظ میں ادا ہوا یہ مضمون کہ آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے' جن میں سب سے زیادہ واضح اور صریح الفاظ یہ ہیں کہ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا.... ﴾ [۵۱] (سبا : ۲۸) یعنی آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی تھی ــــــ لہٰذا منطقی طور پر آپؐ کی بعثت کا مقصد بتمام و کمال اسی وقت پورا ہو گا جب وہ صورت پیدا ہو جائے گی جو متذکرہ بالا احادیث میں بیان کی گئی ہے!

چنانچہ علّامہ اقبال کی اس نگاہ نے جس کے بارے میں خود ان کا کہنا ہے کہ

ع "گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود!" ــــــ مستقبل کے پردوں کو چیر کر اُس آنے والے دور کی کوئی جھلک دیکھ لی تھی' جب یہ فرمایا کہ :

---

۴۹) "اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔"

۵۰) "وہی (اللہ) تو ہے جس نے اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے۔"

۵۱) "اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

البتہ دو باتیں واضح رہنی چاہئیں : ایک یہ کہ یہ سب کچھ از خود نہیں ہو جائے گا بلکہ اللہ اور محمد ﷺ پر ایمان رکھنے والوں کی اسی طرح کی جِدّ وجُہد 'محنت و مشقت 'ایثار و قربانی 'صبر و مصابرت 'ثبات و استقلال 'اور سرفروشی و جانفشانی سے ہو گا جس کا نقشہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کی پاک سیرتوں میں نظر آتا ہے اور دوسری یہ کہ اس خوشگوار اور جاں فزا منظر سے قبل موجودہ اُمّتِ مسلمہ کی پیٹھ پر دین حق کے سواء السّبیل اور صراطِ مستقیم سے انحراف کے باعث عذابِ الٰہی کے وہ کوڑے بھی پڑ کر رہیں گے جن کی خبریں کتبِ احادیث کے ابوابِ فتن 'ملاحم اور اشراط الساعۃ اور علاماتِ قیامت میں دی گئی ہیں! —— تاہم اس تادیب و تعزیر کے بعد "نورِ مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم کے بتمام و کمال ظہور و بروز کا دور آ کر رہے گا ——! اور اس کا راستہ نہ ابلیسِ لعین اور اس کے شیاطین جن و اِنس پر مشتمل لشکر روک سکیں گے 'نہ "یورپ کی مشینیں" اور ان کی آسمان سے بات کرنے والی ٹیکنالوجی روک سکے گی!

اور یہی ارتقائے انسان کی وہ آخری منزل ہو گی جس کے بعد قیامت آ

جائے گی اور وہ سلسلۂ کون و مکان جو BIG BANG سے شروع ہو کر آج تک پھیل رہا ہے ﴿ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ؕ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ ؕ ﴾ [۵۲] (الانبیاء : ۱۰۴) کے انداز میں لپیٹ اور سمیٹ لیا جائے گا ـــــ اور اس کے بعد کون جان سکتا ہے کہ ﴿ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴾ [۵۳] (الرحمٰن : ۲۹) کی شان رکھنے والا "اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" اس "شکست و رواں شد!" کی کیفیت کے بعد تکوین و تخلیق کی کونسی نئی بساط بچھائے گا ـــــ! ہم یقین کے ساتھ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ﴿ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ ﴾ [۵۴] (الرحمٰن : ۲۶، ۲۷)

وَ آخِرُ دَعوانا اَنِ الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین!

---

۵۲) "وہ دن جبکہ ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اُس کا اعادہ کریں گے۔"

۵۳) "ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔"

۵۴) "ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔"